بیگم مولانا عزیز گل مدظلہ اسیر مالٹا

کی

آپ بیتی

جنگِ آزادی کے عظیم اور یادگار تحریکِ ریشمی رومال کے آخری بزرگ اور حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی کے محبوب و محب تلمیذ رشید حضرت مولانا عزیز گل صاحب کاکاخیل اسیر مالٹا کے احوال و سوانح پر الحق میں اہم مواد شائع ہوتا رہا ہے اور کون ہے جو اس بقیۃ السلف مجاہد کے حالات سے واقف نہیں۔ مدظلہ کی دوسری شادی ایک نومسلم انگریز خاتون مس جینی سے ہوئی جن کا نام نامی بعد میں ہم سب کی زبان پر مدّ زہرہ کہلایا۔ یہ پاکباز خاتون اخلاص وللّٰہیّت علمی شغل و انہماک قرآن کریم سے تعلق کا ایک تابناک مثالی کردار چھوڑ کر گئیں۔ مرحومہ نے اپنی ایک انگریزی تصنیف دی بیلنسڈ وے (صراطِ مستقیم) میں اسلام کی طرف آنے سے پہلے کی زندگی اور بعد کے حالات تفصیل سے لکھے تھے۔ کتاب چالیس سال پہلے ۱۹۴۰ء میں شائع ہوئی تھی اب الفرقان لکھنؤ نے حیدرآباد دکن سے شائع ہونے والے پندرہ روزہ قرطاس و قلم کے حوالہ سے مذکورہ کتاب سے اخذ کر کے ذیل کے مضمون کی شکل میں شائع کئے ہیں جسے ہم نذرِ ناظرین کر رہے ہیں۔ (ادارہ)

میں اپنے والد چارلس ایڈورڈ اسٹیفورڈ اسٹیل کی ساتویں لڑکی ہوں میں ۱۸۸۵ء میں حیدرآباد سندھ میں پیدا ہوئی۔ میرے والد بڑے انصاف پسند اور بات کے پکّے انسان تھے۔ انہیں ہندوستان اور ہندوستانی لوگوں سے بڑا لگاؤ تھا کبھی کبھی تو وہ خود کو سندھی کہہ دیا کرتے تھے۔ ہماری خاندانی نسبتیں بڑی عظیم تھیں مگر ہمارے والد کا کہنا تھا کہ شرافت کا معیار کردار ہے نہ کہ خون۔ بہرحال میں چھ سال کی رہی ہوں گی کہ مجھے تعلیم کے لئے انگلستان بھیج دیا گیا۔ مجھے بچپن سے ہمیشہ سے پیار رہا۔ میں ہر بات کا سبب کھوجنے کی کوشش کیا کرتی تھی۔ میرے دوست احباب مجھے شفقت سے

کھوا کرتے تھے کیونکہ میں ہر بات میں کیا، کیوں اور کیسے جیسے سوال کرنے کی عادی تھی۔

میں ایک عیسائی کنبے میں پیدا ہوئی تھی۔ مگر سب عیسائی متحد نہ تھے۔ عیسائیوں کے بہت سے فرقے تھے جو ایک دوسرے کو جہنمی کہتے تھے۔ اس لئے عیسائی مذہب مجھے گورکھ دھندا سا لگا۔ میری سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ حضرت عیسیٰ خدا کے بیٹے کیسے ہو سکتے تھے۔ مگر مجھے دعا سے بڑا شغف تھا اور میں اکثر ان دیکھے مالک سے لولگا کر دعائیں کرتی رہتی تھی۔ جب میں جوان ہوگئی تو میں نے بائبل کو تنقیدی نظر سے پڑھنا شروع کیا۔ مجھے بائبل کے بہت سے بیانات ایک دوسرے سے ٹکراتے محسوس ہوئے۔ مجھے بائبل کے کلام خدا ہونے میں شک ہونے لگا۔

کچھ عرصہ بعد میری شادی ہوگئی۔ مگر میرے شوہر ایک دنیا دار عیسائی تھے۔ وہ میرے فکر و خیال کے ساتھی نہ بن سکے۔ اس لئے میں نے فرصت کے وقت فلسفہ کا مطالعہ شروع کیا اور اسپینسر، ہکسلے اور دوسرے فلاسفہ کا مطالعہ کرنا شروع کیا۔ مگر ان خیالی بھول بھلیوں سے مجھے کچھ نہ ملا۔

انہیں دنوں میں اپنے والد کے پاس ہندوستان آئی۔ میری بارہ سالہ لڑکی اور دس سالہ لڑکا میرے ساتھ تھے۔ یہاں مجھے ویدانت پڑھنے کا موقع ملا۔ مجھے اس کے پڑھنے سے بڑی تسکین ملی۔ مجھے محسوس ہوا کہ وہ چیز مل گئی جس کی مجھے تلاش تھی۔ ویدانت کے مطالعے نے مجھے ہندو دھرم کے قریب کر دیا۔ کچھ عرصہ کے لئے ایک ہندو خانقاہ میں مہمان بن کر رہی اور بالآخر ہندو ہوگئی۔ مجھے راما کرشن کے ویدانتی سلسلے میں داخل کر لیا گیا مگر مجھے یہ شرک سا محسوس ہوا، چنانچہ میرا یقین ہل گیا مجھے افسوس ہوا کہ حقیقت ابھی اور آگے ہے۔ اسی زمانے میں میں بیمار ہوگئی۔ مجھے علاج کے لئے فرانس جانا پڑا۔ وہاں میرے سات آپریشن ہوئے۔ ہر آپریشن پر موت سامنے کھڑی نظر آتی تھی۔ میں چاہتی تھی کہ میں موت کے لئے تیاری کروں میں نے سوچا کہ دنیا ترک کروں اور آخرت کی تیاری میں لگ جاؤں۔ لہٰذا میں واپس جب ہندوستان آئی تو میں نے سنیاس لے لیا۔ میں نے ایک سو ساٹھ اپنشد پڑھے۔ لیکن یہ کیا... یہاں بھی بائبل کی طرح ان گنت تضاد تھے۔ ان میں کونسی بات حق ہے اور کون سی غلط ہے، یہ کیسے معلوم ہو۔ میں ایک بار پھر الجھ گئی۔ مجھے خوف ہو گیا کہ اسی ذہنی الجھن میں کہیں پاگل نہ ہو جاؤں۔ مجھے یہ بھی احساس ہوا کہ سنیاس سے میری روحانیت نہیں بڑھ رہی ہے۔ نفسیاتی کشمکش بڑھ رہی تھی۔

اسی زمانہ میں ہندوستان میں عدم تعاون کی تحریک چل پڑی۔ ہندوستانی ہندوستانیوں سے لڑ پڑے۔ الموڑہ بھی فسادات سے بچا نہ رہا۔ اس وقت میرے دل نے کہا کہ یہ خانقاہ میں بیٹھ کر دھیان گیان کا وقت نہیں ہے۔ بلکہ باہر نکل کر زخمیوں اور دکھیوں کی مدد کرنے کا وقت ہے۔ میں نے اپنے گرو جی سے یہ بات کہی۔ مگر انہوں نے کہا کہ ہم لوگ دنیا دار نہیں ہیں۔ تم جن باتوں کے کرنے کو کہہ رہی ہو، یہ سیاست کی باتیں ہیں ہم ان باتوں میں نہیں پڑتے۔ مجھے ان کے سوچنے کے اس انداز پر حیرت ہوئی۔ میں انہیں تو خانقاہ چھوڑ کر زخمیوں کی مدد پر آمادہ نہ کر سکی

مگر میں خود خانقاہ سے نکل آئی۔ اور میں نے زخمیوں، مریضوں اور دکھیوں کی امداد کی۔ مجھے اس سے دل کا چین ملا اور میں نے طے کیا کہ روحانی ترقی انسانیت کی خدمت کے ذریعہ حاصل ہوسکتی ہے۔ خانقاہوں کی زندگی سے نہیں چنانچہ میں نے ایک آشرم کھولنے کا فیصلہ کیا جس میں نوجوان لڑکوں کی اخلاقی تربیت کی جائے۔ اس آشرم میں میں نے ہندو مسلمان کی قید نہیں رکھی۔ وہاں ایک مسلمان لڑکا داخلے کے لئے لایا گیا۔ یہ لڑکا اپنے والدین کے لئے ایک مسئلہ بن گیا تھا۔ میں نے سوچا کہ جب تک میں مسلمانوں کے نظامِ حیات کے بارے میں معلومات حاصل نہ کروں۔ میں اس لڑکے کی تربیت کا حق ادا نہ کر سکوں گی۔ اس نیت سے میں نے قرآن پڑھنا شروع کیا۔ اب تک میں مسلمانوں سے ڈرتی تھی میں سمجھتی تھی کہ مسلمان ایک قسم کے "ڈاکو" ہوتے ہیں جو ہر قسم کا ظلم کر سکتے ہیں۔ لیکن اس کتاب نے میری آنکھیں کھول دیں یہ تو سراسر حق تھا اور دل میں اترتا چلا جاتا تھا۔ یہ عملی و یدانت تھا۔ آہ۔ میں اب تک کن اندھیروں تھی افسوس کہ یورپی مستشرقوں نے اسلام کی کتنی غلط تصویر پیش کی ہے وہ مذہب جسے میں خونخوار بھیڑیوں کا مذہب سمجھتی تھی مکمل سچائی کا دین تھا۔" میرے اللہ میں کیا کروں۔ میں نے تو ساری زندگی اکارت کردی"۔ میں نے سوچا میں ہندو ہی رہوں یا ہندومت کو چھوڑ دوں۔ میں نے رہبانہ زندگی اختیار کر لی تھی۔ یہ ایک طرح کی موت تھی۔ قرآن مجھے زندگی کی طرف بلا رہا تھا ایسی زندگی کی طرف جو آخرت کی زندگی کی بنیاد بنتی تھی۔ مگر مشکل یہ تھی کہ میں ایک مقدس خانقاہ کی راہبہ تھی۔ لوگ مجھے پیار سے ماں کہتے تھے میں مسلمان ہو جاؤں گی تو دنیا کیا کہے گی؟ مگر مجھے اپنی روح کو خلجان سے بچانا تھا۔ میں نے لوگوں کے کہنے کی پروا نہ کی۔ میں نے مسلمان ہونے کا اعلان کر دیا۔ میرے گرو بھائی بڑے وحشت زدہ ہوئے مگر میں نے انہیں خلوص سے بتایا کہ اصل ویدانت یہ ہے جو اب میں قبول کر رہی ہوں میرے گرو بھائیوں نے کہا یہ کام مسلمان ہوئے بغیر بھی جاری رہ سکتا ہے۔ ویدانتی رہ کر بھی تم قرآن کی راہ اختیار کر سکتی ہو۔ یہ بھی ویدانت کا ہی ایک سلسلہ ہوگا۔ لیکن یہ بات میرے دل میں نہ اتر سکی۔ میں سمجھ رہی تھی راما کرشن نے حقیقت کا راستہ نہیں اختیار کیا تھا۔ بلکہ وہ خود ان کے ذہن کی اپج اور ایک بھرم تھا۔ ہو سکتا ہے کسی نام نہاد صوفی نے انہیں یہ بھرم دلا دیا ہو۔ میرے ہندو دوستوں نے مجھ سے کہا کہ میں اپنے آپ کو مسلمان نہ کہوں تو وہ مجھے آگرہ میں راما کرشن مشن کا مہنت بنا دیں گے۔ مگر مجھے دنیاوی لالچ نہ تھا۔ مجھے روح کے آرام کی ضرورت تھی۔ اس لئے میں نے ان کی بات کو رد کر دیا۔ مگر اب ایک اور مشکل آئی۔ مسلمانوں نے مجھے ماننے سے انکار کر دیا۔ وہ کہتے تھے کہ یہ ہمیں ہندو بنانے کے لئے یہ روپ دھارن کر رہی ہے۔ میں خود شبہ میں پڑ گئی۔ میں قرآن کو اپنا ہادی اور رہنما مان رہی تھی تو کیا یہ بات مسلمان ہونے کے لئے کافی نہ تھی۔ اپنے دل کی بے قراری کو دور کرنے کے لئے میں دیوبند گئی۔ میری لڑکی میرے ساتھ تھی۔ ہم دونوں بے پردہ تھیں۔ ہم نے مولانا حسین احمد مدنی سے ملاقات کی۔ اپنی بات ان کے سامنے رکھی اور پوچھا "کیا ہم مسلمان نہیں ہیں؟"۔ "تم حقیقتاً مسلمان ہو!" ———

مولانا نے ایک زوردار قہقہہ لگا کر کہا۔ "تمہیں اس میں شک کیوں ہے؟" مولانا حسین احمد صاحب کی عظمت ہم دونوں کے دل میں بیٹھ گئی۔ انہوں نے ہماری بہت خاطر کی۔ بعد کو وہ ایک بار مجھ سے ملنے منگلور بھی آئے تھے۔ انہیں کے ساتھ مولوی عزیز گل بھی تھے۔ مولانا حسین احمد انہیں بہت چاہتے تھے ایسا لگتا تھا کہ جیسے وہ دو دوست لڑکے ہوں۔ وہ ایک دوسرے سے معصوم مذاق کرتے، ایک دوسرے کی ہنسی اڑاتے۔ اور کبھی کبھی ایک دوسرے کو چڑھانے بھی تھے۔ مجھے ان کی محبت پر رشک ہوتا تھا۔ وہ دن بھر ہمارے یہاں رہے جب وہ چلنے لگے تو میں نے مولانا حسین احمد سے کہا کہ وہ پھر تشریف لائیں۔ اس پر انہوں نے کہا کہ میں تو زیادہ نہ آسکوں گا مگر عزیز گل کبھی کبھی آیا کریں گے۔ چنانچہ مولوی عزیز گل صاحب آتے رہے۔ میں ان سے پردہ اور دوسرے مسائل پر بے جھجک بات چیت کرتی رہی۔ شروع میں میں سمجھتی تھی کہ یہ مولوی بڑے تنگ نظر ہوتے ہیں مگر بعد کو پردے کی حقیقت مجھ پر کھلی تو میں ان کی وسعت نظر کی قائل ہو گئی۔

یہاں میں اسلام کے مطالعہ میں لگی ہوئی تھی کہ اچانک میرے شوہر کا خط آیا کہ اگر میں فوراً انگلستان نہ لوٹی تو وہ مجھے خرچ دینا بند کر دیں گے۔ بچوں کی تعلیم کا خرچ مجھ سے وصول کریں گے اور مجھ سے تعلق توڑ لیں گے۔ اس خبر پر مجھے نہ تعجب ہوا نہ افسوس ——— میں مسلمان ہو چکی تھی اب میں کسی عیسائی شوہر کی بیوی کیسے رہ سکتی تھی۔ رہا رزق۔ تو یہ اللہ کی دین ہے۔ کم یا زیادہ ملے گا ہی۔ عزیز گل کو جب یہ بات معلوم ہوئی تو انہوں نے میرا ہاتھ تھامنے کی پیش کش کی۔ میں نے بڑے احترام سے اس پیش کش کو قبول کر لیا۔ میں جانتی تھی کہ ان کے یہاں غربت ہے افلاس ہے، پردہ ہے۔ مگر میرے لئے تو یہی اللہ کی پسندیدہ جگہ تھی۔ عزیز گل کے گھر میں میں نے سیکھا کہ خود بھوکے رہ کر مہمانوں کی تواضع میں کیا لذت ہے۔ عزیز گل کے گھر میں مجھے زندگی کی حقیقی راحت ملی وہ نہایت شریف اور مہربان شوہر ثابت ہوئے۔

یوں بھی وہ سید ہیں۔ اور انہوں نے سیادت کی لاج رکھی ہے۔ ان کے اجداد عرب سے افغانستان اور افغانستان سے ہندوستان آ گئے تھے۔ اب تو ہم دونوں راہ حق کے مسافر تھے اور راہ حق کی مسافرت میں مشرق مغرب کیسے، ہماری راہ ایک تھی، ہماری منزل ایک تھی۔ ہماری روحیں ہم آہنگ تھیں۔ ہم دونوں اللہ کے پیارے نبی کے بتائے ہوئے راستے پر چلنے کا ارادہ لے کر اٹھے تھے۔ مجھے خوشی ہے کہ اس راہ میں میری بیٹی میرا بیٹا اور میرا بھائی سب مجھ سے ہمدردی کرتے رہے۔ انہوں نے مجھے حق کی راہ میں قدم بڑھانے سے روکا نہیں میری زندگی ایک سفر ہے "وہ برسوں کی محرابوں" سے گزر کر اسلام کی حسین وادی میں ختم ہو رہا ہے مگر ختم کہاں ہو رہا ہے زندگی تو موت کے بعد بھی چلتی رہے گی میری راہ اسلام کی راہ ہے یہی ایک سیدھی راہ ہے اس کے علاوہ ہر راہ کج ہے اور انسان کو اللہ کی راہ سے بہتر راہ نہیں مل سکتی۔ خدا کرے کہ میں جب تک زندہ رہوں اسی راہ پر چلتی رہوں پھر میں اس راہ سے بھاگوں بھی تو بھاگ کر کہاں جاؤں گی۔ مجھے اللہ نے پیدا کیا ہے اور مجھے اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ